محمد سعد صدیقی ★

قرآن وحدیث کی اردو ترجمہ نگاری
اصول و قواعد کا اجمالی تعارف

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم. امابعد،

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات پر برتری عطا فرمائی اور یہ اعلان فرمادیا کہ کائنات کی ہر چیز اسی انسان کے فائدہ کےلئے پیدا کی گئی ہے۔ارشادہوا: "وسخرلکم مافی السموات ومافی الارض "[۱]

انسان کی اس فضیلت و برتری کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں جن میں سے ایک زبان وبیان کی طاقت وقدرت ہے۔ انسان اپنے مافی الضمیر کو مختلف پیرایوں، متنوع انداز اور متعدد اسالیب کے ذریعہ ظاہر کرسکتا ہے۔ زبان وبیان کی اس قدرت اور قوت کو حق تعالیٰ جل شانہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔" خلق الانسان . علمه البیان "[۲]کہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو پیدا کیا ایک خاص امتیاز کے ساتھ اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اسے قدرت بیان عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ دوسری مخلوقات کی تسبیح و تحمید کا ذکر کرتا ہے جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے یا اپنی تخلیقی اور عادی کیفیات سے اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد ن وثنا بیان کررہی ہے لیکن انسان کے علاوہ کسی مخلوق کےلئے اللہ تعالیٰ نے قوت بیان کے عطا کرنے کا ذکر نہیں کیا۔

زبان و بیان کی اس طاقت وقدرت کو ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے لوگ مختلف انداز و اسلوب اور متنوع زبانوں میں کرتے ہیں۔ ہر علاقہ کی اپنی ثقافت ہوتی ہے، ہر قوم ایک مخصوص تمدن سے وابستہ ہوتی ہے اور ہر زمانہ ایک خاص تہذیب کا علمبردار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر قوم اظہار وبیان کے بیان کے لئے اپنی تہذیبی روایات، اپنی ثقافتی اقدار اور اپنے تمدنی شعارات کی روشنی میں کسی زبان کا سہارا لیتی ہے۔ زبان و بیان کا یہ فرق زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ذوالقرنین کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اپنے زیر نگیں سلطنت کے کسی حصہ میں پہنچا، وہاں کے لوگ اس کی زبان نہیں سمجھتے تھے چنانچہ اشاروں سے گفتگو ہوئی، ارشاد الٰہی ہے۔"حتیٰ اذا بلغ بین السدین وجد من دونهما قوماً لایکادون یفقهون قولاً "[۳] یہ وہ زمانہ تھا کہ ذرائع اس قدر وسیع نہ تھے، مختلف اقوام وملل کے ایک دوسرے سے وسیع روابط نہ تھے، اس لئے اس بات کی ضرورت کم محسوس ہوتی تھی کہ ایک قوم دوسری قوم کی

★ ریسرچ آفیسر، قائداعظم لائبریری، باغ جناح لاہور

زبان سیکھے یا اس پر عبور حاصل کرے۔ لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جارہا ہے ذرائع ابلاغ کی وسعت و فراوانی اور اقوام و ملل کے کثیر اور وسیع روابط کی وجہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ ایک دوسرے کی زبان پر عبور حاصل کیا جائے۔ چنانچہ امام بخاری ؒ کی نقل کردہ روایت کے مطابق روم کے فرمانروا، ہرقل کے پاس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا اور اس نے عرب تاجروں کی جماعت جس کی قیادت ابو سفیان کر رہے تھے، اپنے دربار میں بلایا تو ابو سفیان اور ہرقل میں ترجمان کے واسطہ سے گفتگو ہوئی۔[۴]

ترجمہ نگاری کا آغاز کب اور کیسے ہوا، یہ میرا موضوع نہیں۔ اس وقت اردو ترجمہ نگاری کے بعض اصول اور قواعد پر بحث کرنی ہے، اور یہ بحث بھی صرف تفسیر و حدیث کی کتب کے تراجم تک محدود رہے گی۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں علوم دینیہ کی خدمات سے قبل درس و تدریس کے ذریعہ دینی خدمات کا آغاز برصغیر میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سندھ میں ہوا۔ دوسری اور تیسری صدیوں میں خدمات علم کا یہ کام غیر منظم اور کسی حد تک انفرادی سطح تک محدود رہا۔ چوتھی صدی ہجری سندھ میں مختلف مراکز درس قائم ہوئے اور چند ہی صدیوں میں علم و عرفان کے یہ مراکز برصغیر کے دوسرے مقامات پر بھی قائم ہونے لگے۔ ان مراکز میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق و تصنیف کا کام بھی سرانجام دیا جانے لگا، اس طرح برصغیر میں خدمات دین کا ایک وقیع اور وسیع باب کھل گیا۔[۵]

برصغیر میں خدمات دین پر تصنیف کی ابتدا اگرچہ عربی و فارسی سے ہوئی تھی لیکن بعد ازاں ان خدمات میں اردو زبان نے ایک نو آموز زبان ہونے کے باوجود نہ صرف سبقت حاصل کرلی بلکہ مرجع خیل کی حیثیت اختیار کرلی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، تصوف و اخلاقیات اور سیرۃ و تاریخ غرضیکہ کوئی شعبہ دین ایسا نہیں کہ اردو زبان خدمت دین میں پیچھے رہی ہو۔ اور یہ ان تمام شعبوں میں یہاں کی تہذیب و ثقافت تمدن و معاشرت اور علمی رجحانات کی روشنی میں ایک خاص اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ برصغیر کا اپنا ایک تفسیری ادب ہے، یہاں کی خدمات حدیث تاریخ کا ایک وقیع حصہ ہیں۔ یہاں کی خدمات فقہ و قانون اسلامی ایک روشن ستارہ ہیں اور یہاں پر سیرت کا اسلوب نگارش ایک منفرد اسلوب ہے۔

اردو نثر کی ابتداء کے بارہ میں مورخین کی آراء مختلف ہیں البتہ اس قدر ثبوت ضرور ملتا ہے کہ اردو ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی ضرورت کے پیش نظر معرض وجود میں آئی۔ چنانچہ سید غلام محی الدین قادری لکھتے ہیں۔ نثر اردو کی ابتداء خواہ کسی زمانہ میں کیوں نہ قرار دی جائے، اس امر کو ماننا پڑے گا کہ دکن میں اس کی بنا تعلیم و تبلیغ ہی کی خاطر

ڈالی گئی تھی"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دسویں صدی ھجری سے قبل کے اکثر کارنامے مذھبی مباحث ہی پر مبنی ہیں۔ شیخ عین الدین گنج العلم کے جو تین رسالے سینٹ جارج کالج کے کتب خانہ میں پائے گئے ان تینوں میں بھی فرائض و سنن ہی کے متعلق متفرق احکام ومسائل لکھے گئے"۔[۶]

" بزرگان دین کے لئے ضروری تھا کہ اپنے مریدوں اور نومسلموں کے تزکیہ نفس اور تعلیم کی خاطر مذہبی مسائل کو عام فہم کردیتے جس کا سرانجام پانا مقامی بولیوں میں تحریر و تقریر سے کام لئے بغیر ناممکن تھا۔ چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اردو میں سب سے پہلے مذہبی الفاظ کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا"۔[۷] معلوم ہوا کہ مصنف کے دعوی کے مطابق دین اسلام اور اس کے احکام ومسائل کا حصول اردو زبان کی ترویج کا سبب بنا اور یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اس زبان میں احکام شریعت سے متعلق الفاظ و اصطلاحات کا ایک وسیع ذخیرہ ابتدائی زمانہ میں ہی جمع ہوگیا بلکہ بقول قادری قوم کے مذہبی رجحان کی وجہ سے زبان بھی مذہبی بن گئی۔[۸] معلوم ہوا کہ اردو پر اور اردو بولنے پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اردو کے ابتدائی دور میں جو کتب تالیف کی گئیں تصوف، شریعت اور اخلاق کے موضوع پر عربی وفارسی سے ماخوذ ہیں اور ان میں عقائد ومسائل اور تصوف وطریقت کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔[۹]

اردو میں لکھی جانے والی ان تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ دینی موضوعات اور مختلف شعبہ ہائے زندگی پر طبع زاد کتب تالیف کی گئیں اور عربی وفارسی کتب کے اردو تراجم کیے گئے۔ علوم دینیہ پر بنیادی مصادر عربی میں تھے۔ ان مصادر کتب کا اردو ترجمہ کیا گیا اور قرآن حکیم کے اردو تراجم کیے گئے۔

نثار احمد قریشی کے مطابق اردو میں نثری تراجم کا آغاز سترھویں صدی کے آغاز سے ہوتا ہے۔ قریشی صاحب ملاوجہی کی سب رس۔(۱۶۳۵ء) کو اردو ترجمہ نگاری میں اولین کاوش قرار دیتے ہیں۔[۱۰] قرآن کریم کے اردو تراجم کا آغاز عبد الصمد صارم کے مطابق مولوی عزیز اللہ حمہ نگ اورنگ آبادی کے ترجمہ سے ہوا جس کا نام "چراغ ابدی" ہے، اس ترجمہ کا سال اشاعت ۱۲۲۱ھ[۱۱] تاریخی اعتبار سے شاہ عبد القادرؒ کے ترجمہ کو تیسرا اور حکیم شریف خان دھلوی کے ترجمہ کو دوسرا ترجمہ قرار دینا درست نہیں کیونکہ شاہ عبد القادر کے ترجمہ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء کا ہے جبکہ ۱۲۴۰ھ/۱۸۱۴ء ان کا سال وفات ہے جس کو صارم نے اس ترجمہ کا سال اشاعت قرار دیا ہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری کے مطابق مہر وک بن رائق نے جو تیسری صدی ہجری/ دسویں عیسوی میں الور کے بادشاہ تھے، قرآن کریم کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا، (اس زمانہ میں اردو کو ہندی زبان ہی کہا جاتا تھا) مشہور سیاح بزرگ بن شہریار

نے بھی اپنے سفرنامہ ہند "عجائب الہند" میں ایک ترجمہ کا ذکر کیا ہے جو مہروک بن رائق کے ایماء پر تیسری صدی ھجری کے اواخر میں کیا گیا۔[۱۲] قرآن کریم کے اردو تراجم کے آغاز کا کوئی بھی زمانہ ہو، بقول ڈاکٹر حمید اللہ اردو زبان میں قرآن کریم کے سب سے زیادہ تراجم ہوئے ہیں جن کی تعداد ان کی دریافت کے مطابق ۹۰ ہے۔[۱۳] جبکہ ڈاکٹر محمد سعود کے مطابق اردو تراجم کی تعداد ۱۵۰ ہے، ورلڈ بیلیو گرافی میں کل ۱۸۱ مکمل تراجم کا ذکر ہے۔[۱۴] فن ترجمہ نگاری میں سب سے مشکل کام قرآن کریم کا ترجمہ کرنا ہے۔ عبد الماجد دریا آبادی اس کی نشان دہی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"OF all great works, the Holy Quran is perhaps the least translatable."[15]

اسی طرح ابن قتیبہ فرماتے ہیں۔" قرآن کریم کا نزول ان تمام اسالیب کلام کے مطابق ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں کماحقہ نہیں کرسکتا "۔[۱۶] ترجمہ نگاری کی وادی کس قدر دشوار اور سنگلاخ چٹانوں سے بھرپور ہے، اس کا اندازہ بابائے اردو مولوی عبد الحق کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ زبان پر کامل قدرت ہونی چاہیئے۔ مسائل واحکام کا دارومدار الفاظ کے مفہوم پر ہے۔ الفاظ کا مفہوم مرور زمانہ سے بدل جاتا ہے اس لئے مترجم کے لئے لازمی ہے کہ وہ جانتا ہو کہ جس زمانہ میں یہ کتاب نازل ہوئی اس وقت ان الفاظ کے کیا معنی تھے اور قائل کا ان سے کیا مقصود ہے۔ کبھی کبھی ذو معنی اور پہلودار لفظ آجاتے ہیں ایک جماعت اس کا مفہوم کچھ لیتی ہے اور دوسری جماعت کچھ اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک لفظ کے معنی اور نحوی ترکیب کی وجہ سے عقائد میں اختلافات پیدا ہوگئے اور دو فرقے بن گئے، ترجمہ میں ایسے الفاظ استعمال کرنا کہ اس میں بھی دونوں پہلو قائم رہیں بہت دشوار بلکہ اکثر اوقات ناممکن ہوتا ہے۔ ان تمام احتیاطوں کے باوجود ترجمہ میں اصل کی سی وضاحت اور خوبیاں اور اثر قائم رکھنا سب سے بڑا دشوار کام ہے۔"[۱۷]

یعنی ترجمہ کرتے وقت جہاں لفظ کی لغوی معنی ومفہوم سے واقفیت ضروری ہے وہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس لفظ کے اگر ایک سے زائد استعمالات ہیں تو وہ کیا کیا ہیں، لفظ اگر ذو معنی یا پہلودار ہے تو سیاق وسباق کے لحاظ سے اس کے کون سے معنی یہاں زیادہ مناسب ہیں، اور کسی لفظ کے نحوی تراکیب کے اختلاف یا صرفی اشتقاقات کی تبدیلی سے معنی پر کیا اثرات واقع ہوتے ہیں۔ یہ تمام باتیں مترجم کے ذھن میں ہوں اور خصوصاً مترجم قرآن کے ذھن میں ہونا ضروری ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں شاہ عبد القادر ؒ کے ترجمہ کی جو خصوصیات بیان کی ہیں، ان سے قرآن کریم کی اردو ترجمہ نگاری کے کچھ بنیادی اصول سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ترجمہ میں اختصار و سہولت، الفاظ قرآنی کی لفظی و معنوی موافقت کے ساتھ ساتھ معنی مرادی اور غرض اصلی کا ہر موقع پر لحاظ رکھا جائے۔

۲۔ ترجمہ میں ایسی عبارت یا ایسے لفظ کا اضافہ کر دیا جائے کہ اگر کسی قسم کا کوئی اشکال پیدا ہو رہا ہو، اس لفظ یا عبارت سے وہ دور ہو جائے۔

۳۔ مختلف معنی رکھنے والے لفظ کا ترجمہ موقع و محل کے اعتبار سے کیا جائے۔

۴۔ امکانی حد تک اردو محاورہ کا ساتھ دیا جائے لیکن اس میں اس قدر استغراق نہ ہو کہ مفہوم بدل جائے۔

۵۔ مطالب و مقاصد قرآن کی ترجمانی پوری احتیاط کے ساتھ کی جائے۔(۱۸)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ کی تفسیر کے مقدمہ سے بھی ترجمہ قرآن کریم کے کچھ اصول مستفاد ہیں۔ جو اس طرح بیان کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ ترجمہ قرآن قواعد و عربیت اور قواعد شریعت کے مطابق ہو۔

۲۔ مترجم دونوں زبانوں کے لغات، محاورات، استعارات و کنایات، حقیقت و مجاز اور اسالیب کلام سے پوری طرح واقف ہو،

۳۔ مترجم کا قلب و دماغ نور فہم اور نورِ تقویٰ سے معمور ہو۔(۱۹)

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد (۱۹۵۸ء) کے ترجمہ قرآن کے متعلق نظریات و افکار کا اختصار کے ساتھ تنقیدی مطالعہ کیا جائے۔ آزاد لکھتے ہیں۔

"قرآن اپنے اسلوب، انداز بیان، اپنے طریق خطاب، طریق استدلال غرضیکہ اپنی ہر بات میں ہمارے وضعی و صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے۔ وہ بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے۔ سلف نے سیدھی سادی فطری طبیعت پر قرآن کو رکھا اور سمجھا۔ خلف نے قرآن کی ہر بات کے لئے فطریت جامے تیار کرلئے اور وضعیت کے مختلف سانچے بنالیے"۔(۲۰) بلاشبہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جس طرح اللہ کی ذات کو کسی قانون کا پابند نہیں بنایا جاسکتا، اسی طرح اس کے کلام کو بھی کسی قانون کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن کیا یہ بات قابل تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قانونی اور اخلاقی ضابطوں کو پورا نہیں کرتی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار یہ بات ارشاد نہیں فرمائی کہ ہم کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک اس میں اپنا کوئی پیامبر بھیج کو حق کو واضح اور باطل سے علیحدہ نہ کردیں۔

یہ اس نظم وضبط کا تقاضہ ہے جس کی اللہ نے اس انسان کو تلقین کی۔ بالکل اسی طرح قرآن کریم بھی ان قواعد کا پابند نہیں بلکہ ان قواعد وضوابط کا سرچشمہ ہے۔ قواعد عربیت اور عربی بلاغت کا اعلیٰ ترین معیار قرآن کریم کی آیت ہیں۔ چنانچہ اس کی توضیح کے ضمن میں کسی نے اسلوب بیان کو بنیاد بنایا اور کلام کے ظاہری محاسن بیان کئے۔ کسی نے انداز بیان پر گفتگو کی اور کلام کی معنوی بلاغت اور نظم کلام کو موضوع سخن بنایا، کسی نے طریق خطاب اور طریق استدلال کو بنیاد بنایا اور قرآن کریم کے فقہی پہلو کو نمایاں کیا اور اس کے دلائل کے محکم ومضبوط ہونے کو بیان کیا۔ لہذا قرآن کریم کے اسلوب بیان میں وضعیت کا جو استغراق آزاد کو نظر آتا ہے قرآن کو اس کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ قرآن کو اس کے سرچشمہ کے طور پر رکھا گیا ہے، اسی طرح قرآن کے طرز استدلال کو منطقی سانچہ میں نہیں ڈھالا گیا بلکہ ان دلائل کا عقل انسانی کی روشنی میں جائزہ لیا گیا کہ عقل انسانی خواہ کتنے ہی قواعد وضوابط وضع کرلے، ایسے محکم ومضبوط دلائل کسی نظریہ کے حق میں قائم نہیں کرسکتی جیسے اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں منطقی استدلالات کے معیارات بتائے جاتے ہیں۔ کہ ان سے زیادہ محکم دلائل انسان وضع کرنے پر قادر نہیں ہے۔ نہ معلوم یہ کیسے فرض کرلیا گیا کہ قرآن کریم کو ان قواعد وضوابط کا پابند بنایا گیا ہے۔ فطرت انسانی کا یہ اولین تقاضہ ہے کہ وہ نظم وضبط کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہو بلکہ نہ صرف فطرت انسانی بلکہ تمام مخلوقات میں یہ نظم پایا جاتا ہے آپ چند پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھیں وہ کس نظم وضبط اور برابری کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ آپ چیونٹیوں کی قطار دیکھیں انہیں کس نے فطریت کی سادگی سے نکال کر ان ضوابط کی جکڑبندیوں میں بند کیا ہے، یہ ان مخلوقات کا فطری تقاضہ ہے۔ حق تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔" ولقد خلقنا السموات والارض ومابینھما فی ستہ ایام "[۲۱] (اور ہم نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کو چھ دن کی مدت میں پیدا کیا) یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کن فیکون کے ذریعہ بھی تو دنیا تخلیق کرسکتا تھا، اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا کہ کائنات کو نظم کی ایک لڑی میں پرونا تھا۔ اس لئے اس کو مرحلہ وار پیدا کیا گیا تاکہ اس کی سرشت میں نظم وضبط پیدا ہوجائے۔[۲۲] معلوم ہوا نظم وضبط فطرت کا تقاضہ ہے فطریت سے فرار نہیں۔

حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ کرتے وقت مترجم کو جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ان کی دو اہم بنیادیں ہیں۔

۱۔ اصلی مصنف کے خیالات، نظریات اور افکار کی صحیح ترجمانی۔ مترجم کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ ترجمہ میں ایسا انداز اختیار کرے کہ جس سے مولف کے اصل افکار وخیالات اور نظریات متاثر ہوتے ہوں، ان پر زد پڑتی ہو یا ان میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہو۔ اصل افکار ونظریات بدل جانے کی صورت میں وہ ترجمہ ترجمہ نہیں رہتا بلکہ ایک

مستقل کتاب بن جاتا ہے جو یقیناً ترجمہ کے تقاضوں سے بالاتر ہے۔

۲۔ مصنف کے افکار وخیالات اور نظریات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے کہ الفاظ کا انتخاب اس طرح کیا جائے کہ مصنف کی ترجمانی ہوسکے نہ یہ کہ ان مضامین کو مشکل تر بنادیا جائے۔ پاک وہند میں فارسی اور عربی کتب کے تراجم میں جو اسلوب قائم رہا ہے وہ ایسا ہے کہ ترجمہ اصل کتاب سے زیادہ مشکل محسوس ہوتا ہے، مثلاً مشکوٰۃ کے اصل عربی متن کو سمجھنا آسان ہے لیکن مظاہر حق کو سمجھنا مشکل ہے۔ ترجمہ میں اگر درج بالا دونوں باتوں کو مد نظر رکھا جائے تو پھر لفظی ترجمہ ممکن نہیں ہوتا اور نہ ہی لفظی ترجمہ سے وہ مقاصد حاصل ہوسکتے ہیں جو ایک ترجمہ سے مطلوب ہوتے ہیں۔ الفاظ کا ترجمہ تو لغات میں بھی مل جاتا ہے اصل بات کلام، جملہ یا مضمون کا ترجمہ ہے جو مترجم کی ذمہ داری ہوتی ہے کسی بھی ترجمہ کو پرکھنے کا یہی انداز ہونا چاہئے کہ مترجم اصل مولف کی بات سمجھانے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ عربی ایک وسیع زبان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی زبان ہے جس میں شرعی اور فقہی اصطلاحات بہت زیادہ ہیں، اردو زبان میں ان اصطلاحات کا مفہوم ادا کرنا بعض اوقات مشکل ہوتا ہے اور عموماً وہ اصطلاحات اسی طرح استعمال کرلی جاتی ہیں۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت یہ بھی ایک مشکل پیش آتی ہے۔ مزید یہ کہ موضوع کے اعتبار سے مفہوم کی ادائیگی ایک نازک امر ہوجاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا ترجمہ نہایت نازک اور باریک کام ہے جس پر تفصیل سے بحث کی جاچکی ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا ترجمہ بھی ایک نازک امر ہے کہ قرآن اور حدیث ماخذ قانون ہیں۔ ترجمہ میں معمولی سے تبدیلی قانونی پیچیدگیاں پیدا کرسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام امور کا بیک وقت لحاظ رکھنا کچھ آسان نہیں، اس کے لئے سخت محنت، عظیم کاوش اور ذخیرہ الفاظ درکار ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک ایک لفظ کے ترجمہ پر گھنٹوں صرف ہوجاتے ہیں۔ عام طور پر ترجمہ کو ایک بہت آسان امر سمجھا جاتا ہے اور عموماً لوگ اس کو تحقیق میں شمار نہیں کرتے۔ حالانکہ ترجمہ بلاشبہ ایک بہت بڑی تحقیق ہے بشرطیکہ درج بالا امور کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

ابواب کا ترجمہ

احادیث کے کسی مجموعہ کے ترجمہ میں سب سے زیادہ دقت کسی باب کے عنوان کے ترجمہ میں پیش آتی ہے۔ باب کا عنوان ایسے جامع الفاظ پر مشتمل ہونا چاہئے جو باب میں بیان کی گئی تمام یا کم از کم اکثر باتوں کو اپنے اندر سموئے۔ اور ترجمہ کے اصل الفاظ کی صحیح ترجمانی کرے۔ مثلاً ابو داود میں کتاب الصلوٰۃ میں ایک باب ہے جس کا عنوان" باب اذا دخل الرجل والامام یخطب " ہے۔ علامہ وحید الزماں نے اس عنوان کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔"

امام خطبہ پڑھ رہا ہو، اس وقت کوئی آئے تو نفل پڑھے یا نہ پڑھے "[۲۳] مولانا سید محمد متین ھاشمی نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ " خطبہ کے دوران کسی شخص کے آنے کا بیان "[۲۴] ان دونوں ترجموں پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ علامہ وحید الزماں کا ترجمہ قدرے طویل بھی ہے اور نفل کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کا ذکر اصل متن میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح کتاب الصلوٰۃ میں بھی ایک باب "باب الاقعاء بین السجدتین " ہے۔ علامہ وحید الزماں نے اس کا ترجمہ " دونوں سجدوں کے درمیان اقعا کرنے کا بیان "[۲۵] کیا ہے اگرچہ آگے اقعا کی وضاحت کر دی گئی ہے، مولانا ھاشمی نے اس کا ترجمہ " دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان " کیا ہے جو معنی ومفہوم کو بھی ادا کر رہا ہے اور قابل فہم بھی ہے۔

متن حدیث کا ترجمہ

ابواب کے ترجمہ کے بعد متن حدیث کا ترجمہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک قانون ساز ادارہ کی ہے، آپ کا ہر قول و عمل امت کے لئے ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے آپ کے اقوال کے ترجمہ میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ متن حدیث کے ترجمہ میں حسب ذیل امور کو مد نظر رکھا ہے۔

حدیث کے ترجمہ میں عام طور پر مترجمین، ترجمہ ہی کی عبارت میں ایسا طرز اختیار کرنا چاہتے یا ایسی کسی عبارت کا اضافہ کر دیتے ہیں جو مترجم کے اپنے مسلک کی ترجمانی کرے، اس سے حدیث کے اصل مفہوم سے بعض اوقات صرف نظر ہو جاتا ہے حالانکہ مترجم کو اپنا مسلک بیان کرنے یا اس کی تائید میں شواہد تلاش کرنے کی فکر نہ ہونی چاہئے اور نہ ہی یہ ترجمہ کا تقاضہ ہے۔ یہ ایک شرح کا تقاضہ ہے جسے شارحین پورا کرتے ہیں۔ مترجم کو سب سے زیادہ خیال اس بات کا ہونا چاہئے کہ اصل متن حدیث کا مفہوم واضح اور قابل فہم ہو رہا ہے یا نہیں۔

ترجمہ نگاری ار خصوصاً قرآن کریم اور حدیث کی ترجمہ نگاری کے اصول وضوابط پر گہری تحقیق کی ضرورت ہے، اصول تفسیر اور اصول شرح حدیث پر تو ارباب فکر و دانش کی تحریریں ملتی ہیں لیکن ترجمہ نگاری پر اور اس کے اصول و قواعد پر کم کم لوگوں نے قلم اٹھایا ہے۔ کاش کوئی صاحب علم قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ترجمہ نگاری کے اصول و ضوابط پر کوئی تحقیقی مقالہ یا کتاب سپرد قلم کردے، یہ وقت کی بہت اہم ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم اور تعلیمات نبوی کا صحیح فہم نصیب فرمائے آمین۔ وماتوفیقی الاباللہ

حواشی

۱- ۴۵- الجاثیہ/۱۳

۲- ۵۵- الرحمن/۴

۳- ۱۸- الکھف/۹۳

۴- بخاری، الجامع الصحیح

۵- ان علمی ودینی خدمات کی تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں ہے۔

۶- قادری، غلام محی الدین- اردو کے اسالیب بیان- حیدر آباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ ۱۹۲۷، ص ۲۵

۷- ایضاً- ص ۲۶

۸- حوالہ مذکور

۹- حوالہ مذکور

۱۰- قریشی، نثار احمد، ترجمہ- روایت اور فن، اسلام آباد- مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵، ص ۳

۱۱- شطاری، سید حمید ڈاکٹر، قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر، طبع حیدر آباد، ص ۲۲، ۲۳

۱۲- اطہر مبارک پوری، قاضی، رجال السند والہند، بمبئی، ادارہ البلاغ، ۱۹۵۸- ص ۳۵۳

۱۳- برگ گل (جریدہ) کراچی، شمارہ ۵- ص ۳۵۶

14. World Bibliography OF the translations OF the meanings OF the Holy Quran. Etd. by: Ismat Binark, Halit Eran. Istanbul. Research center, 1986 PP.523-590

۱۵- عبد الماجد دریابادی،

۱۶- ابن قتیبہ، کتب القرطین، بحوالہ صالحہ عبد الحکیم شرف الدین، ڈاکٹر- قرآن حکیم کے اردو تراجم، کراچی- قدیمی کتب خانہ، ص ۷۰

۱۷- شطاری، کتاب مذکور، ص ۳۱

۱۸- عثمانی، شبیر احمد علامہ، تفسیر عثمانی، کراچی، دار الاشاعت، ج ۱، ص ۲۰ مقدمہ

۱۹- محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، معارف القرآن، لاہور- مکتبہ عثمانیہ، ج ۱ مقدمہ

۲۰- آزاد، ابو الکلام، ترجمان القرآن، لاہور- اسلامی اکادمی، ج ۱- مقدمہ

۲۱- ۵۰- الاحقاف/۳۸

۲۲- اس سوال کے مختلف جوابات مفسرین نے دیئے ہیں اکثر مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ نظم و ضبط کا تقاضہ تھا-

۲۳- وحید الزماں، علامہ، ترجمہ سنن ابی داؤد، لاہور- اسلامی اکادمی، ج ۱ ص ۴۲۱

۲۴- حاشمی، محمد متین سید، ترجمہ سنن ابی داؤد، لاہور- اسلامی پبلی کیشنز، ج ۱